سَلٰمٌ، عبارت کی اصل ہِیَ سَلٰمٌ ہے۔ لفظ ہی حذف کر دیا گیا، معنے یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا نام نہیں (قرطبی) اور بعض حضرات نے تقدیر عبارت سلام ہو قرار دے کر اسکو مِنْ کُلِّ اَمْرٍ کی صفت بنایا اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لیکر آتے ہیں جو خیر و سلام ہے (مظہری)

ہِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ، یعنی لیلۃ القدر کی یہ برکات رات کے کسی خاص حصہ کی ساتھ مخصوص نہیں، شروع رات سے طلوع فجر تک ایک ہی حکم ہے۔

**فائدہ** ان آیات میں لیلۃ القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شب قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا۔ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے وہ مراد ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو اسلئے کوئی اشکال نہیں (کذا ذکرہ ابن کثیر عن مجاہد)

اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شبِ قدر مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اُس جگہ اُسی رات میں شبِ قدر کے برکات حاصل ہونگے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ۔** جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اُس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنا زیادہ کریگا زیادہ ثواب پائیگا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رض کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا، اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو پوری رات جاگنے عبادت کرنیکا ثواب حاصل کرلیا۔

تمت سورۃ القدر بحمد اللہ ۲۷ رمضان ۱۳۹۱ھ

# سورۃ البینۃ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانُ اٰيٰتٍ
سورۃ بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى
نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک کہ
تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيْهَا كُتُبٌ
پہنچے اُن کے پاس کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک اُس میں لکھی ہیں





قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
کتابیں مضبوط اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جبکہ آچکی اُن کے پاس کھلی
الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ حُنَفَآءَ
بات اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کرکے اسکے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ
اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی اور جو
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہونگے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُسمیں وہ لوگ ہیں
هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ
سب خلق سے بدتر وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ
خلق سے بہتر بدلہ اُن کا اُن کے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ
اُن کے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸ ع ۲۳
یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے

## خلاصۂ تفسیر

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سناوے جن میں درست مضامین لکھے ہوں (مراد قرآن ہے مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا کفر ایسا شدید تھا اور ایسے جہل میں مبتلا تھے کہ بدون کسی عظیم رسول کے اُن کی راہ پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے آپ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا) اور (اُن کو چاہیے تھا کہ اس کو غنیمت سمجھتے اور اس پر ایمان لے آتے مگر) جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجۂ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہوگئے (یعنی دین حق سے بھی اختلاف کیا اور باہمی اختلاف جو پہلے سے تھے اُن کو بھی دین حق کا اتباع کرکے دُور نہ کیا اور مشرکین کو بدرجۂ اولیٰ اس لئے کہا کہ اُن کے پاس تو پہلے سے بھی کوئی علم سماوی نہ تھا) حالانکہ

اُن لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں یکسو ہوکر (ادیانِ باطلہ کی طرح کسی کو اللہ کا شریک نہ بنادیں) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں، اور یہی طریقہ ہے اُن درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا- حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ اُن اہلِ کتاب کو اگلی کتابوں میں یہ حکم ہوا تھا کہ قرآن اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اور یہی تعلیم تھی قرآن کی جس کو اوپر کُتُبِ قیّمہ سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے اس قرآن کے نہ ماننے سے خود اپنی کتب کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ یہ تو الزام اہلِ کتاب کو ہوا اور مشرکین اگرچہ پہلی کتب کو نہیں مانتے مگر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کا حق ہونا یہ بھی تسلیم کرتے تھے اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام شرک سے بالکل بَری تھے، اور کتبِ قیّمہ یعنی قرآن کا اُس طریقے کے ساتھ متوافق ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے ان پر بھی حجت تمام ہوگئی اور مُرادان متفرقین ومخالفین سے بعض وہ کفار ہیں جو ایمان نہ لائے تھے اور قرینہ مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن لوگوں نے تفرق اور خلاف نہیں کیا وہ اہلِ ایمان ہیں، آگے بیان عمل کے بعد تصریحاً کفار کی دونوں قسموں یعنی اہل کتاب ومشرکین کی اور مومنین کی سزا وجزا کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں یعنی) بے شک جو لوگ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتشِ دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں (اور) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے (یعنی نہ اُن سے کوئی معصیت ہوگی اور نہ اُن کو کوئی امرِ مکروہ پیش آوے گا جس سے احتمال عدم رضا کا جانبین سے ہو اور) یہ (جنت اور رضا) اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے (اور اللہ سے ڈرنے ہی پر ایمان وعمل صالح مرتب ہوتا ہے جس کو دخولِ جنت وحصولِ رضا کا مدار فرمایا ہے)

## معارف ومسائل

پہلی آیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دُنیا میں کفر وشرک اور جہالت کے انتہائی عموم اور غلبہ کو ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ کفر وشرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دُور کرنے کے لئے رب العالمین کی حکمت ورحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جیسے اُن کا مرض شدید اور وبا عالمگیر ہے اُس کے علاج کے لئے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج بھیجنا چاہیئے اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہ پاسکیں گے۔ آگے اُس حاذق وماہر حکیم کی صفت بیان کی کہ اس کا وجود ایک بیّنہ یعنی حجتِ واضحہ ہو شرک کفر کے ابطال کے لئے آگے فرمایا کہ مراد اس معالج سے اللہ کا وہ رسُول اعظم ہے جو قرآن کی حجتِ واضحہ لے کر اُن کے پاس آوے۔ اس مجموعہ میں بعثتِ نبوی سے پہلے زمانے کے فسادِ عظیم اور ہر طرف جہالت وظلمت ہونا بھی معلوم ہوا اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا بھی بیان ہوا۔ آگے





قرآن کی چند اہم صفات کا بیان فرمایا۔

يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ، یتلو، تلاوت سے مشتق ہے جس کے معنے پڑھنے کے ہیں، مگر ہر پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاتا بلکہ وہ پڑھنا جو پڑھانے والے کی تلقین کے بالکل مطابق ہو اس کو تلاوت کہتے ہیں اسی لئے عرف میں عموماً لفظ تلاوت صرف قرآن پڑھنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ صُحُف صحیفہ کی جمع ہے جن کاغذات میں کوئی مضمون تحریر ہو اُن کو صحیفہ کہتے ہیں۔ کُتُب، کتاب کی جمع ہے اس کے ایک معنی تو لکھی ہوئی چیز کے ہیں اس اعتبار سے کتاب اور صحیفہ تقریباً ہم معنی لفظ ہیں، اور کبھی لفظ کتاب بمعنے حکم بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کی آیت لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ میں لفظ کتاب بمعنے حکم ہی مستعمل ہوا ہے۔ اس جگہ بھی یہی دوسرے معنے مراد ہیں کیونکہ معروف معنی میں لیں تو کتب عین صحف ہیں۔ فیہا کہنے کے کوئی معنے نہیں رہتے۔

مُطَهَّرَةً، یہ صحف کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صحیفے جھوٹ اور شک اور نفاق اور گمراہی سے پاک ہیں۔ قَيِّمَةٌ بمعنے مستقیمہ کتب کی صفت ہے معنے یہ ہیں کہ یہ احکام مستقیم منصفانہ ومعتدل ہیں اور اس کے معنے مضبوط ومستحکم کے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ احکام الٰہیہ جو قرآن میں آئے قیامت تک قائم دائم رہیں گے۔

مطلب آیت کا یہ ہوگیا کہ اس زمانے کے مشرکین اور اہلِ کتاب کی گمراہی اس درجے میں پہنچی ہوئی تھی کہ اُن کو اپنے عقائدِ باطلہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا جب تک کہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی کھُلی نشانی اور حجتِ واضحہ نہ آجائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجتِ واضحہ بناکر بھیجا جس کا کام یہ تھا کہ وہ اُن کو پاک صحیفے پڑھ کر سُناتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وحیِ خداوندی کے وہ احکام سُناتے تھے جو بعد میں صحیفوں کے ذریعہ محفوظ کئے گئے کیونکہ ابتداءً تلاوت میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی صحیفے سے نہیں بلکہ اپنی یاد سے پڑھ کر سُناتے تھے، اور یہ پاک صحیفے ایسے ہیں جن میں ایسے احکام الٰہیہ ہیں جو عدل واعتدال کے ساتھ دیئے گئے ہیں اور ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ، تفرق سے مراد اس جگہ انکار واختلاف ہے۔ قرآن اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے جس پر تمام اہلِ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت سے پہلے متفق تھے کیونکہ اُن کی آسمانی کتب تورات وانجیل میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا اور آپ کی خاص خاص صفات اور آپ پر قرآن نازل ہونے کا واضح ذکر موجود تھا اس لئے کسی یہودی نصرانی کو اس میں اختلاف نہیں تھا کہ آخر زمانے میں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لاویں گے۔ آپ پر قرآن نازل ہوگا آپ ہی کا اتباع سب پر لازم ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی انکے اس اتفاق کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، یعنی یہ اہلِ کتاب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے آنے کے منتظر تھے اور جب کبھی مشرکین سے ان کا مقابلہ ہوتا تو آنے والے نبی کے واسطے سے اپنی

فتح مانگتے تھے یعنی اللہ سے دُعا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں جو آنے والے ہیں اُن کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرما دے یا یہ کہ یہ مشرکین سے کہا کرتے تھے تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو مگر عنقریب ایک ایسے رسُول آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کر دیں گے اور ہم چونکہ اُن کے ساتھ ہونگے تو ہماری فتح ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو اہلِ کتاب سب کے سب آپؐ کی نبوّت و رسالت پر متفق تھے مگر جب آپؐ تشریف لے آئے تو منکر ہوگئے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک جگہ فرمایا فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ، یعنی جب ان لوگوں کے پاس وہ رسُول یا دینِ حق یا قرآن آگیا جس کو انھوں نے بھی اپنی آسمانی کتابوں کی پیش گوئی کے مطابق پہچان لیا تو لگے کفر کرنے۔ اور آیت مذکورہ میں اسی مضمون کو اس طرح ذکر فرمایا کہ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الآیۃ، یعنی یہ عجیب بات ہے کہ آپؐ کے آنے اور دیکھنے سے پہلے تو ان لوگوں کو آپؐ سے کوئی اختلاف نہیں تھا سب آپؐ کی نبوت کے اعتقاد پر جمع تھے مگر جب یہ اللہ کا بیّنہ واضحہ یعنی رسُول آخر الزماں تشریف لے آئے تو ان میں افتراق پیدا ہوگیا کچھ لوگ تو آپؐ پر ایمان لائے اور بہت سے انکار کرنے لگے۔

یہ معاملہ چونکہ اہلِ کتاب ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے اس آیت میں صرف اہلِ کتاب ہی کا ذکر فرمایا ہے مشرکین کو شامل نہیں کیا بلکہ فرمایا وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الآیۃ، اور پہلا معاملہ مشرکین اور اہلِ کتاب دونوں کو عام اور شامل تھا اس لئے وہاں فرمایا لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ۔

اور خلاصۂ تفسیر مذکور میں معاملہ ثانیہ کو بھی مشرکین اور اہلِ کتاب دونوں میں عام قرار دے کر اُس کے مطابق تقریر کی گئی ہے واللہ اعلم۔

وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ، یہاں لفظ قَيِّمَة بظاہر کتب کی صفت ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اور بعض نے اس کو ملت کی صفت قرار دیا ہے۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اہلِ کتاب کو اُن کی کتابوں میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اپنی عبادت و اطاعت کو خالص اللہ کے لئے رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، پھر فرمایا کہ یہ کچھ اُن کی ہی خصوصیت نہیں، ہر ملّتِ قیّمہ یا تمام کتبِ قیّمہ جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اُن سب کا دین اور طریقہ یہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قیّمہ جو کتب کی صفت ہے اس سے مراد بقرینہ سابق احکامِ قرآنیہ لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس شریعتِ محمدیہ نے بھی جو احکام اُن کو دیئے وہ بھی بعینہا وہی تھے جو پہلے اُن کی کتابوں نے دیئے تھے اُن سے کچھ مختلف احکام ہوتے تو اُن کو مخالفت کا کچھ بہانا بھی ہوتا اب وہ بھی نہیں۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ، اس آیت میں اہلِ جنّت کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اب ناراضی کا کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت ابُو سعید خُدری رض سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت سے خطاب کیلئے فرمائیں گے





یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ، تو اہلِ جنت جواب دیں گے لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، یعنی اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور اطاعت حکم کے لئے تیار ہیں اور ہر بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے هَلْ رَضِيتُمْ یعنی تم لوگ راضی اور خوش ہو وہ جواب دیں گے، اے ہمارے پروردگار، اب بھی راضی نہ ہونے کا کیا احتمال ہے جبکہ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما دیا جو کسی مخلوق کو نہیں ملا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نعمت دیدوں، پھر فرمائیں گے کہ میں نے اپنی رضا تمھارے اوپر نازل کردی اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری ومسلم۔ مظہری)

اس حدیث میں بھی اہلِ جنت سے پُوچھا گیا کہ آپ راضی بھی ہو، اور اس آیت میں خبر دی گئی کہ رَضُوا عَنْهُ، یعنی اہلِ جنت بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہاں بظاہر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ سے اور اسکے ہر حکم اور ہر فعل سے راضی ہونا تو فرائض بندگی اور لازمۂ عبدیت ہے اس کے بغیر تو کوئی جنت میں جا ہی نہیں سکتا، پھر یہاں اہلِ جنت کی رضامندی ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے، جواب یہ ہے کہ رضا کے عام مفہوم کے اعتبار سے تو یہ صحیح ہے کہ رضا بالقدر واجبات و فرائض عبدیت میں سے ہے لیکن رضا کا ایک درجہ اور بھی ہے جو اس سے آگے ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اُس کی ہر مراد عطا کر دیں اور کوئی تمنا و آرزو باقی نہ چھوڑیں، اس جگہ رضا سے یہی مراد ہے جیسے سورۂ ضُحیٰ میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ، یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دیں گے وہ چیز جس سے آپ راضی ہوجائیں گے، یہاں بھی مراد غایت تمنا کا پورا کر دینا ہے اسی لئے اس آیت کے نزول پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو میں اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک ایک بھی مومن جہنم میں باقی رہے گا (من المظہری)

ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ، آخر سورت میں تمام کمالات دینی اور نعمائے اُخروی کا جس پر مدار ہے وہ بتلا دیا یعنی خشیۃ اللہ، خشیت اُس خوف کو نہیں کہا جاتا جو کسی دشمن یا درندے یا موذی چیز سے طبعاً ہوتا ہے بلکہ خشیت اُس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی انتہائی عظمت و جلال کی وجہ سے پیدا ہو جس کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام ہر حال میں اُس کی رضا جوئی کی فکر کرتا ہے اور ناراضی کے شبہ سے بھی بچتا ہے یہی وہ چیز ہے جو انسان کو عبدِ کامل اور مقبول بنانے والی ہے۔

تمّت سورۃ البیّنۃ بحمد اللہ تعالیٰ